Open Access
Al-Marjān
Research Journal
ISSN(E): 3006-0370
ISSN(P): 3006-0362
al-marjan.com.pk

A Methodological Study of ʿAbd al-Ḥakīm Siyālkōtī's Ḥāshiyah on al-Bayḍāwī

حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی البیضاوی کا منہجی مطالعہ

Authors Details

1. **Ghulam Mustafa**
   Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad, Pakistan.
2. **Dr. Rizwan Mahmood** (Corresponding Author)
   Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad, Pakistan.
   Email: **rizwan.mahmood@riphahfsd.edu.pk**

Citation

Mustafa, Ghulam, and Dr Rizwan Mahmood." Methodological Study of ʿAbd al-Ḥakīm Siyālkōtī's Ḥāshiyah on al-Bayḍāwī."*Al-Marjān Research Journal* 3,no.3, Jul-Sep (2025): 34–48.

Submission Timeline

Received: May 03, 2025
Revised: Jun 12, 2025
Accepted: Jun 21, 2025
Published Online: Jul 05, 2025

Publication, Copyright & Licensing

Article QR

Al-Marjān Research Center, Lahore, Pakistan.

© 2023 Al-Marjān Research Center.

This is an open access article distributed under the terms of the **Creative Commons Attribution 4.0 International License (CC BY 4.0).**

A Methodological Study of ʿAbd al-Ḥakīm Siyālkōtī's Ḥāshiyah on al-Bayḍāwī

حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی البیضاوی کا منہجی مطالعہ

☆ غلام مصطفیٰ ☆ ڈاکٹر محمد رضوان محمود

Abstract

His style is marked by dense argumentation, rational analysis, and scholarly depth. He presents nuanced and balanced discussions on sensitive theological themes such as Oneness of God, miracles, predestination (qada o qadar), and the infallibility of Anbia Kiram□. His tafsir reflects strong alignment with Ashʿari theological principles, particularly in the emphasis on allegorical interpretation of Divine attributes, the rejection of anthropomorphism, and the integration of reason with revelation. Elements of Sufism also emerge, such as references to "spiritual journey to God" called suluk "light of guidance" and "inner path" indicating that the author possessed not only intellectual acumen but also spiritual insight. His commentary reveals him to be both a master of Islamic philosophy and a skillful practitioner of dialectical reasoning. In conclusion, Tafsir Abd al-Ḥakim Siyalkoti is a partial yet profoundly impactful exegetical work that exemplifies the tradition of rational Qur'anic commentary, philosophical interpretation, and Ilm al-kalam in Mughal India. It remains a vital source of analysis, critique, and contemplation for contemporary scholars of tafsir, theology, and Islamic intellectual history. Within the intellectual heritage of the Indian subcontinent, the scholarly contributions of Mulla Abdul Ḥakim Siyalkoṭi occupy a prominent place, particularly his ḥashiya (marginal commentary) on the renowned Tafsir al-Bayḍawi. This work represents a significant chapter in the tradition of philosophical and theological Qur'anic exegesis. The exegetical approach employed by the author is not confined to traditional narration; rather, it is based on rigorous principles of rational argumentation, logic, Sufism, linguistics, grammar, and Ilm al-kalam (Islamic theology). While formally a commentary on Tafsir al-Bayḍawi, this ḥashiya surpasses mere exposition by offering critical evaluations, philosophical syntheses, and independent theological perspectives.

Keywords: Subcontinent, Hashiya, Tafsir al-Bayḍawi, Ilm al-kalam, reveals, commentary, Abd al-Ḥakim, Abdul Hakim, Siyalkoṭi.

تعارف موضوع

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانیت کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کتاب کے فہم و تدبر کے لیے ایک منظم، علمی اور تحقیقی انداز اپنانا وقت کی اشد ضرورت ہے۔ منہجی مطالعہ کا مقصد قرآن کو صرف تلاوت یا ترجمے تک محدود رکھنے کے بجائے اس سے فکری و عملی رہنمائی حاصل کرنا ہے تاکہ فرد و معاشرہ دونوں کی اصلاح ممکن ہو سکے۔ منہجی مطالعہ سے مراد ایسا مطالعہ ہے جو ایک منظم طریقہ کار، علمی

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان۔
☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، پاکستان۔

تحقیق، تدبر، اور سیر حاصل تفہیم پر مبنی ہو۔ اس مطالعہ میں قاری آیات کے تاریخی پس منظر، شان نزول، لغوی و اصطلاحی معانی، اور موضوعاتی ربط کو مد نظر رکھ کر قرآن کی تعلیمات کو سمجھتا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے جو نبی کریم ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوئی اور قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ کتاب نہ صرف عقائد و عبادات، بلکہ اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، اور انسان کے انفرادی و اجتماعی معاملات کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

تاہم اس کتاب کی تعلیمات سے بھرپور استفادہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے محض تلاوت یا ترجمہ کی حد تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مطالعہ ایک منظم، فکری، اور تحقیقی انداز میں کیا جائے۔ اسی کو منہجی مطالعہ کہا جاتا ہے۔ منہجی مطالعے کے بنیادی اصولوں میں سب سے پہلے نیت کا خالص ہونا ہے، یعنی قرآن کو اس نیت کے ساتھ پڑھا جائے کہ اس سے ہدایت حاصل کروں گا۔ اس کے بعد عربی زبان کا سمجھنا ہے اور اگر عربی نہ جانتا ہو تو معتبر تراجم و تفاسیر سے مدد لی جائے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ قرآن کی آیات کے سیاق و سباق، شان نزول، اور موضوعاتی ترتیب کو مد نظر رکھ کر مطالعہ کیا جائے جو کہ اس کے فہم میں بہت مدد دیتا ہے۔ اسی طرح معتبر تفاسیر سے رہنمائی حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ قرآن کو اس کے اصل مفہوم میں سمجھا جاسکے۔

مبحث اول: منہج کا مفہوم اور منہجی مطالعے کے فوائد

1. منہج کا مفہوم

منہج کی جمع مناہج ہے جبکہ منہج، نہج اور منہاج بھی اس مادہ سے ماخوذ ہیں۔ مناہج الطریق واضح راستہ کو کہا جاتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا"[2]

"ہم نے تم سب کے لیے ایک شریعت اور راستہ رکھا ہے۔"

امام بخاری نے منہاج کا معنی سنت طریقہ بھی کیا ہے۔[3] دوران تحقیق کسی علمی بحث کے لیے اختیار کیا گیا طریقہ منہج کہلاتا ہے یہ علمی اور تحقیقی منزل تک پہنچنے کے لیے وہ راہ گزر ہے جس پر چل کر ایک محقق اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ یہ انسان کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ اسے اللہ رب العزت نے جو منفرد خصوصیات دی ہیں ان میں عقل و فکر اور اپنے مافی الضمیر کا زبانی و تحریری اظہار شامل ہے۔

"خَلَقَ الْإِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ"[4]

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔"

اللہ تعالیٰ سورۃ الرحمن میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانی دماغ معلومات کا ایک خزینہ ہے جس میں وہ اپنے حواس، عقل، علم کے خارجی ذرائع، وحی الٰہی، ماحول اور دوسروں کے تجربات سے بہت کچھ ذخیرہ کرتا ہے۔ معلومات جمع کرنے کا یہ سلسلہ انسان کے بچپن سے لے کر زندگی کے اختتام تک جاری رہتا ہے غیر رسمی طور پر وہ کائنات کا ایک دائمی طالب علم رہتا ہے پھر ہر انسان دوسرے انسانوں سے جداگانہ خوبیوں کا مالک ہوتا ہے۔

---

[1] Al-Iṣfahānī, Ar-Rāghib. *Al-Mufradāt fī Gharā'ib al-Qur'ān*. Beirut: Dār al-'Ilm, 1412 AH/1991, 1:825, 108.
[2] *Al-Mā'ida*, 5:48.
[3] Al-Bukhārī, Abū 'Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā'īl. *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*. Edited by Muḥammad Zuhayr ibn Nāṣir an-Nāṣir. Beirut: Dār Ṭawq an-Najāḥ, 1422 AH/2001, Kitāb at-Tafsīr, Bāb Tafsīr Sūrat al-Mā'ida, 5:108.
[4] *Ar-Raḥmān*, 55:3–4.

یہ تفاوت انسانوں کے درمیان فطری ہے اس تنوع کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ملتے ہیں جن سے علم کے نئے گوشے دریافت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے اندر زندگی کے اسباب مہیا کیے ہیں اور انسان کی تمام ضروریات پوری کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا"[5]

"اور ہم نے اولاد آدم کو یہ فضیلت بخشی کہ انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور انہیں پاکیزہ اشیاء سے رزق عطاء فرمایا اور اکثر مخلوقات پر بڑی فضیلت بخشی۔"

چنانچہ سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی زمین کو رہائش کے قابل بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے اندر ایک اصول جاری فرمایا ہے کہ ہر مسبب کو سبب کے تابع کر دیا۔ چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ سورج سے روشنی اور حرارت پیدا ہوتی ہے، پانی کی نعمت سے تمام مخلوقات زندہ ہیں، دوائی سے انسان کو صحت ملتی ہے وغیرہ۔ اس سے وہ امور مستثنیٰ ہیں جو اسباب کے دائروں سے ہٹ کر ہیں جنہیں عادت خاص کہتے ہیں جیسا کہ معجزات۔ اس تسلسل نے انسان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور اپنی زندگی کو محفوظ اور پر آسائش بنانے کے لیے اللہ تعالی کی نعمتوں کو استعمال کرنا شروع کیا، کائنات کے سربستہ رازوں کو تلاش کرنے لگا، معاشرت اور تمدن کی بنیادیں ڈالیں اور انگنت ایجادات کیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ خالق کائنات نے روز اول سے انسان کو بامقصد زندگی گزارنے اور اس کے عقائد و خیالات سنوارنے کے لیے پیغمبروں کے ذریعے اپنی تعلیمات پہنچانے کا انتظام بھی فرمایا۔

2. منہجی مطالعے کے فوائد

قرآن مجید کے منہجی مطالعے کے بے شمار فوائد ہیں جو فرد کی فکری، روحانی اور عملی زندگی پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین فوائد درج ذیل ہیں:

* انسان اللہ کی کتاب کو گہرائی سے سمجھ کر اس کی حقیقی ہدایت سے فیض یاب ہوتا ہے۔
* اس طرزِ مطالعہ سے فکری بلوغت اور بصیرت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ قاری صرف الفاظ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ معانی، مقاصد اور حکمتوں پر غور کرتا ہے۔
* منہجی مطالعہ فرد کو ایک باشعور، متوازن اور باعمل مسلمان بناتا ہے، جو قرآن کے اصولوں کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کرتا ہے۔
* اس سے شخصیت میں پاکیزگی، اخلاق میں بہتری، اور عمل میں اخلاص آتا ہے۔
* معاشرتی سطح پر یہ مطالعہ امتِ مسلمہ میں فکری ہم آہنگی اور دینی وحدت کو فروغ دیتا ہے، کیونکہ یہ قرآن کے جامع پیغام کو فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر ہو کر سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔
* علاوہ ازیں، منہجی مطالعہ دینی دعوت، تربیت، اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں ایک مؤثر ذریعہ بن جاتا ہے، کیونکہ قاری خود بھی قرآن کی روشنی سے منور ہوتا ہے اور دوسروں تک بھی اس روشنی کو پہنچاتا ہے۔

[5] *Al-Isrāʾ*, 17:70.

مبحث دوم: حاشیہ عبد الحکیم البیضاوی کا منہجی مطالعہ

عہدِ مغلیہ (1526ء–1857ء) برصغیر میں علمی، دینی اور تصنیفی ترقی کا ایک زریں دور تھا۔ اس دور میں تفسیری ادب کو خوب فروغ حاصل ہوا اور متعدد علماء وصوفیاء نے قرآنِ مجید کی تفسیر پر قلم اٹھایا۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (م 1067ھ / 1656ء) برصغیر کے نامور عالم، فلسفی، متکلم اور مفسر تھے، جنہوں نے مغلیہ دور میں اسلامی علوم کی تدریس و تحقیق میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ سیالکوٹ کے ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کی علمی شہرت دورِ جہانگیری و شاہجہانی میں دہلی و لاہور کے علمی حلقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کی تفسیر قرآن، اگرچہ مکمل نہیں، تاہم جزوی طور پر موجود ہے اور اس میں کلام، منطق، فلسفہ اور حکمت کے مباحث نمایاں طور پر شامل ہیں۔ آپ کا اندازِ تفسیر عقلی اور استدلالی ہے، جو آپ کی علمی گہرائی اور فلسفیانہ بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ یہ تفسیری حاشیہ، مغلیہ دور میں علمی و فکری رجحانات کا عمدہ نمونہ ہے، جو متکلمین و حکما کی تفسیری روایت کا تسلسل بھی ہے۔

تفسیر عبد الحکیم سیالکوٹی دراصل مشہور تفسیر انوار التنزیل (تفسیرِ بیضاوی) پر لکھا گیا ایک مفصل حاشیہ ہے، جسے ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ نے تحریر کیا۔ یہ حاشیہ محض توضیحی نہیں بلکہ ایک مستقل فکری و علمی کاوش ہے، جس میں آیاتِ قرآنیہ کی شرح کے ساتھ ساتھ گہری کلامی، منطقی اور فلسفیانہ بحثیں بھی شامل ہیں۔ ملا عبد الحکیم نے اس حاشیے میں تفسیرِ بیضاوی کے اشارات و لطائف کو وسعت دی، بعض مقامات پر اس کے نکات پر تنقید بھی کی، اور پیچیدہ مسائل کو عقلی استدلال کے ذریعے واضح کیا۔ ان کا اسلوب گہرا، دقیق اور علمی حلقوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ یہ تفسیر جزوی نوعیت رکھتی ہے مگر اس میں برصغیر کے علمی ورثے، خاص طور پر کلامی و فلسفیانہ تفسیر نگاری کی ایک اہم مثال پیش کی گئی ہے، جو تفسیر نگاری کے ایک مخصوص مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتی ہے۔

1. تعارف مصنف

اس حاشیہ کے مصنف ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ (م 1067ھ / 1656ء) ہیں جو برصغیر ہند کے ایک جلیل القدر عالمِ دین، فقیہ، متکلم، مفسر، اور حکیم تھے۔ آپ کا مکمل نام عبد الحکیم بن عبد الکریم سیالکوٹی ہے۔ آپ کا تعلق برصغیر کے مشہور علمی شہر سیالکوٹ سے ہے، جو مغلیہ دور میں ایک علمی مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا۔[6] اسی شہر سے تعلق کی وجہ سے آپ کو سیالکوٹی کہا جاتا ہے۔ آپ نے مغلیہ دور میں علمی، دینی اور فلسفیانہ میدانوں میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ کا تعلق شہر سیالکوٹ کے ایک علمی گھرانے سے تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور مقامی اساتذہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی، لاہور اور دیگر مراکز علم میں جا کر علومِ عقلیہ و نقلیہ؛ منطق، فلسفہ، اصول فقہ، تفسیر اور علم الکلام میں مہارت حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے دہلی، لاہور اور دیگر علمی مراکز میں تدریس و تصنیف کا طویل سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کا شمار اس دور کے ممتاز اساتذہ اور فلسفی مفسرین میں ہوتا ہے۔ آپ علومِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ منطق، فلسفہ، علم الکلام، تصوف اور طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا اندازِ فکر ایک عقلی و استدلالی ذوق کا حامل تھا اور آپ نے برصغیر میں اسلامی علوم کو نہ صرف روایتی انداز میں محفوظ رکھا بلکہ اسے فکری گہرائی اور عقلی وسعت بھی عطا کی۔

---
[6] Sa'īdī, Ghulām Rasūl. *Tārīkh-e-Tafsīr*. Lahore: Maktaba Raḍawiyya, n.d., 2:411.

حافظ عبدالرحمن امرتسری اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں:

> عراق، شام اور استنبول کی درس گاہوں میں مجھے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف دیکھنے کا موقع ملا۔ ہندوستان سے باہر بلادِ اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم صاحب کو حاصل ہوئی اسے کوئی ہندوستانی حاصل نہیں کر سکا۔[7]

مغلیہ دربار میں آپ کی منزلت اور مغل حکمرانوں کی علماء کی افزائی کا عالم یہ تھا کہ شاہجہاں نے انہیں دو مرتبہ چاندی سے تولا یعنی ان کے وزن کے برابر انہیں چاندی نذرانے کے طور پر دی اور اس کے علاوہ کئی دیہات ان کے نام الاٹ کیے تاکہ وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر درس و تدریس او ر تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہیں۔[8] آپ کو مغلیہ دربار میں صدر الصدور جیسے بلند علمی و فقہی منصب پر بھی فائز کیا گیا۔[9] آپ کی علمی خدمات میں تفسیر، کلام، اصولِ فقہ، منطق اور فلسفہ پر متعدد کتابیں شامل ہیں، جن میں حاشیہ پر تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر شرح تجرید العقائد، کشف اللغات اور حاشیہ بر مطالع الانوار شامل ہیں۔ ان میں سب سے اہم آپ کا حاشیہ بر تفسیر بیضاوی ہے۔ یہ حاشیہ محض شرح نہیں بلکہ عقلی تفہیم، کلامی تشریحات، اور فلسفیانہ تجزیوں سے بھرپور ایک علمی دستاویز ہے، جو تفسیر نویسی کے اسلوب میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ آپ کی تصانیف نے برصغیر میں مدرسہ نظامیہ کی علمی بنیادوں کو تقویت بخشی اور آئندہ نسلوں کے لیے تفکر، تدبر اور اجتہاد کے دروازے وا کیے۔

آپ کا تفسیر بیضاوی پر حاشیہ آپ کی وہ علمی کاوش ہے جو آج بھی علمی حلقوں میں مشہور ہے، جس میں کلامی اور عقلی انداز میں آیات کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ تفسیر علمی موشگافیوں، عقلی استدلال، اور فلسفیانہ اشارات سے بھرپور ہے۔ آپ نے اس میں اشاعرہ کے عقائد کو بنیاد بنایا مگر کئی مقامات پر اجتہادی اسلوب اختیار کیا۔[10] خصوصاً صفات باری تعالیٰ، جبر و قدر اور کسب عبد جیسے مسائل پر آپ کی شرح خاص توجہ کی مستحق ہے۔ آپ نے ملا صدرا کی حکمتِ متعالیہ اور ابن سینا و فارابی کے فلسفہ سے استفادہ کیا اور اسلامی فلسفے کو برصغیر میں علمی قالب میں ڈھالا۔[11] آپ کو برصغیر میں علم کلام کے احیاء اور فلسفیانہ تفسیر کے فروغ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ آپ کی تفسیرات میں علّامہ تفتازانی اور امام رازی کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کا کلامی و تفسیری انداز بعد کے بہت سے علماء خصوصاً دہلی، لاہور اور لکھنؤ کے علماء پر اثرانداز ہوا۔[12] آپ کے دیگر معروف شاگردوں اور معاصرین میں ملا جیونؒ، شاہ ولی اللہؒ کے اسلاف اور مغلیہ دربار کے اہل علم شامل ہیں۔

آپ کا وصال 1067ھ / 1656ء میں ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ لاہور کے نواح میں ہے۔ آپ کا علمی ورثہ آج بھی دینی و علمی حلقوں میں معتبر سمجھا جاتا ہے۔[13]

---

[7]Akram, Shaykh Muḥammad. *Rōd-e-Kawthar*. Lahore: Idāra Thaqāfat-e-Islāmiyya, 1426 AH/2005, 334–336.
[8]Akram, *Rōd-e-Kawthar*, 334–336.
[9]Mīrathī, Yāmīn ʻAlī, Dr. *Bar-e-Ṣaghīr mein ʻIlm-e-Kalām kī Riwāyat*. Islamabad: Idāra Maʻārif-e-Islāmiyya, International Islamic University, n.d., 123.
[10]Mīrathī, *Bar-e-Ṣaghīr mein ʻIlm-e-Kalām kī Riwāyat*, 124–125.
[11] Sharif, M. M. *A History of Muslim Philosophy*. Lahore: Pakistan Philosophical Congress, n.d., 2:1125–1126.
[12]Anonymous. "Mullā ʻAbd al-Ḥakīm Siyālkōṭī aur Un kā Kalāmī Manhaj." *Maʻārif-e-Islāmiyya* 7, no. 2 (n.d.): 150.
[13]Saʻīdī, *Tārīkh-e-Tafsīr*, 2:414.

2. حاشیہ عبد الحکیم علی البیضاوی

ملا عبد الحکیمؒ کی تفسیری کاوشیں اگرچہ جزوی اور حاشیہ جاتی ہیں، تاہم ان کا علمی و فکری اثر بے حد وسیع ہے۔ ان کا حاشیہ بر تفسیر بیضاوی برصغیر میں عقلی تفسیر نگاری کے ذوق کو فروغ دینے والا ایک نادر علمی کارنامہ ہے۔ علامہ عبد العزیز پرہاروی (م1239ھ/1824ء) ان کے اس حاشیہ کی عظمت و وقعت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حاشية عبدالحكيم على البيضاوي في غاية التحرير والدقة، وهى من أنفس ما كتب فى هذا الفن فى بلاد الهند"[14]

"عبد الحکیم کی بیضاوی پر حاشیہ نہایت دقیق اور علمی باریکی سے مزین ہے، اور برصغیر میں اس فن (علمِ تفسیر) میں لکھی گئی سب سے قیمتی اور گراں قدر تحریروں میں سے ہے۔"

علامہ عبد العزیز پرہاروی کی یہ تحریر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے حاشیے کی علمی باریکی، دقتِ نظر اور ندرتِ اسلوب کو سراہتا ہے۔ اہلِ علم کے نزدیک یہ حاشیہ تفسیر بیضاوی کی فہم کے لیے نہایت اہم اور معاون شمار ہوتا ہے۔ ذیل میں اس کے منہج و اسلوب کی نمایاں خصوصیات، اقتباسات اور حوالہ جات کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

i. نحوی و لغوی مباحث

ملا عبد الحکیمؒ لغت اور نحو کے ماہر تھے، اور ان کی تفسیری تحریروں میں زبان و قواعد کی باریکیاں بھرپور انداز میں جلوہ گر ہیں۔ وہ کسی آیت کی تفسیر کرتے وقت اس کے نحوی، صرفی اور لغوی پہلوؤں پر بھی محققانہ گفتگو کرتے ہیں، اور گرامر کے اصولوں کو معنی کے استنباط کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

"(ان الحمد ماهو)بيان ما(قوله او للاستغراق)اى للجنس باعتبار تحققه فى ضمن جميع افراده اى للاستغراق ليس معنى اللام حقيقية بل هو من فروع الجنس"[15]

"بے شک حمد وہ ہے جو۔ کے بیان میں ان کا کہنا کہ "ال" یہاں استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام افرادِ جنس کے تحقق کے اعتبار سے ہے یہ استغراق ہے اور "ال" کا معنی حقیقی نہیں بلکہ یہ جنس کی ایک شاخ کے طور پر ہے۔"

یہ ایک نحوی و بلاغی بحث ہے، جو الحمد میں مذکور "ال" کی وضاحت کے بارے میں ہے۔ امام بیضاوی کے بیان "إن الحمد" کی ترکیب میں جو "ال" ہے، اس کے بارے میں ملا عبد الحکیم یہ بیان کر رہے ہیں کہ یہ "ال" یا تو استغراق کے لیے ہے یا جنس کے معنی میں۔ اگر استغراق مراد ہو تو اس کا مطلب ہو گا؛ تمام قسم کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے یعنی ہر فردِ تعریف، ہر نوع اور ہر موقع پر کی جانے والی تعریف۔ مگر پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ استغراق "ال" کے حقیقی معنی کے طور پر نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ "ال" یہاں جنس کے مفہوم سے نکلی ہوئی ایک شاخ ہے۔ یعنی حقیقت میں "ال" جنس کے لیے ہے، اور چونکہ جنس کا اطلاق اپنی تمام اقسام پر ہوتا ہے، تو اس سے استغراق کا مفہوم نکلتا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی تفسیر میں صرف و نحو اور لغت کو استعمال کیا گیا ہے۔

[14]Parhārwī, ‘Abd al-‘Azīz. *Muqaddima Ḥāshiya ‘Abd al-Ḥakīm*. Lahore: Idāra Taḥqīqāt-e-Islāmī, 1407 AH/1987, 5.

[15] Siyālkōṭī, Mullā ‘Abd al-Ḥakīm. *Ḥāshiyat ‘Abd al-Ḥakīm ‘alā al-Bayḍāwī*. Lahore: Maktaba Quddūsiyya, 1436 AH/2015, 53.

ii. تفسیر بالماثور

تفسیر بالماثور قرآن فہمی کا سب سے قدیم اور مستند منہج ہے جس میں قرآن کی تفسیر کے لیے خود قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ، اقوال صحابہؓ اور اقوال تابعینؒ سے مدد لی جاتی ہے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے اس منہج کو بڑی محنت اور علمی دیانت سے اختیار کیا ہے۔ ان کی تفسیر میں بکثرت مقامات پر آثار و اقوال سلف صالحین ملتے ہیں۔ یہ بات ان کی علمی وابستگی اور تقلیدِ اسلاف کی غمازی کرتی ہے۔ انہوں نے قرآن فہمی کے لیے روایاتِ سلف، اقوالِ صحابہ و تابعین، اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کو بنیاد بنایا ہے۔ اس سے ان کی علمی دیانت داری اور روایتی منہج کی پابندی کا پتا چلتا ہے۔ انہوں نے ماثور تفسیری روایات کو نہایت احسن انداز سے استعمال کیا ہے۔

"لانها مستعملة في كل منهما كقوله تعالى: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ[16] وقوله تعالى: وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ[17] فالقول بكونها موضوعة لاحدهما بخصوصه يوجب الاشتراك اوالحقيقة والمجاز والاصل ينفيهما"[18]

کیونکہ وہ ان دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ کیونکہ قرآن میں یہ دونوں معنوں میں استعمال ہوئی ہے، جیسے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: "بے شک تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔" اور اس کا فرمان: "اور ثمود کو ہم نے ہدایت دی"۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ہدایت صرف ایک خاص معنی کے لیے وضع ہوئی ہے تو پھر لازم آئے گا کہ یا تو لفظ میں اشتراک ہے یعنی دو مختلف حقیقی معانی ہوں یا حقیقت و مجاز کا تعلق ماننا پڑے، جبکہ اصول یہ ہے کہ ایسے احتمالات کو اصل میں رد کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں دونوں اقسام کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً ہدایت نہ دے سکنا، جیسے فرمایا: اے نبی ﷺ! تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے یعنی ہدایتِ تکوینی، دل میں ڈال دینا، اللہ کا کام ہے۔ ہدایت دے دینا، جیسے فرمایا: ہم نے ثمود کو ہدایت دی یعنی راستہ دکھایا۔ اگر ہدایت صرف ایک مفہوم پر محمول ہوتو یا تو یہ کہنا پڑے گا کہ لفظ ہدایت دو الگ الگ معانی رکھتا ہے جو لفظی اشتراک کہلاتا ہے۔ یا کہنا پڑے گا کہ ایک معنی حقیقت ہے اور دوسرا مجاز۔ لیکن اصولی قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک لفظ دونوں جگہ استعمال ہو رہا ہو اور دونوں معانی مناسب ہوں، تو ہم اسے ایک ہی مشترک معنی پر رکھیں گے، نہ کہ اشتراک یا مجاز مانیں گے۔ لہٰذا لفظ ہدایت ان دونوں معانی کے درمیان مشترک ہے، اس میں نہ اشتراک ہے نہ مجاز۔

اسی طرح حدیث مبارکہ سے تفسیر قرآن کی مثال کے طور پر ایک عبارت ملاحظہ ہو:

"واذا كان ما سوى الله متناهيا فالعبور عليه متناه وسفر في الله وهو غير متناه لان نعوت جلاله وجماله غير متناه لا يزال العبد يرقي من بعضها الى بعض واليه الاشاره بقوله صلى الله عليه وسلم لا يزال العبد يتقرب الي بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت يده وسمعه و بصره بي يبتش وبي يسمع وبي يبصر هذا اول مرتبة حق اليقين"[19]

---

[16] *Al-Qaṣaṣ*, 28:56.
[17] *Fuṣṣilat*, 41:17.
[18] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 76.
[19] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 79.

"اور جب اللہ کے سوا ہر چیز محدود ہے، تو ان پر عبور بھی محدود ہے لیکن اللہ کی طرف روحانی سفر لامتناہی ہے، کیونکہ اس کے جلال و جمال کی صفات لامتناہی ہیں۔ بندہ ان صفات میں سے کسی ایک صفت سے کسی دوسری صفت کی طرف مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور اسی کی طرف نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس فرمان میں اشارہ ہے: بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ یہ "حق الیقین" کی پہلی منزل ہے۔"

یعنی اللہ کے سوا جو کچھ ہے، سب مخلوق ہے اور محدود و متناہی ہے، چاہے وہ کائنات ہو، علم ہو، وقت ہو یا کوئی اور شے۔ چونکہ مخلوقات محدود ہیں، ان پر عبور پانا یعنی انہیں طے کر لینا یا سمجھ لینا بھی ممکن اور محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف روحانی سفر یعنی عرفانِ الٰہی کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ کی صفاتِ جلال و جمال کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بندہ مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے، اللہ کی مختلف صفات کو پہچانتا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نوافل کے ذریعے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے، حتیٰ کہ اس قرب کی انتہا یہ ہو جاتی ہے کہ اللہ کی محبت میں بندے کا وجود فنا ہو کر اللہ کی صفات میں ڈھل جاتا ہے یعنی بندے کی تمام حرکات و سکنات اللہ کی رضا کے مطابق ہو جاتی ہیں۔ یہ کیفیت "حق الیقین" یعنی یقین کی سب سے اعلیٰ قسم کی ابتدائی منزل ہے، جس میں بندہ صرف علم یا دلیل سے نہیں بلکہ تجربے اور مشاہدے سے یقین کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا سب کچھ محدود ہے، لہٰذا حقیقی معرفت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ مخلوق سے بلند ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو، اور اس کی صفات میں مسلسل ترقی کرتا چلا جائے۔ یہ ترقی کسی حد پر ختم نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ لامحدود ہے اور اس کے قرب کی راہ بھی لامحدود ہے۔ یہ عبارت تفسیر بالماثور کی نہایت عمدہ مثال ہے، کیونکہ اس میں ایک آیت کی تشریح حدیث مبارکہ سے کی گئی ہے۔

iii. عقلی و فلسفیانہ انداز

ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کے تفسیری منہج کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا عقلی اور فلسفیانہ اندازِ بیان ہے۔ وہ آیاتِ قرآنیہ کی تشریح کرتے ہوئے محض روایتی تفسیری اقوال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ فلسفہ، منطق اور عقل کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں مفاہیم کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر مابعد الطبیعیات، وجودِ باری تعالیٰ، توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ جیسے نازک موضوعات میں خاص طور پر عقلی استدلال سے لبریز ہوتی ہے۔

"بيان لوجه دلالة الجواهر والاعراض على وجود صانعه وحاصله انها ممكنه وكل ممكن مفتقر في وجوده الى مؤثر وكل مفتقر في وجوده الى مؤثر واجب لذاته يدل وجوده على وجوده فالجواهر والاعراض يدل وجودها على وجود مؤثر واجب لذاته ولما كان القياس مركبا وحد اوسط مجموع الامكان والافتقار ذكرهما واختيار كون علة الحاجه الامكان دون الحدوث"[20]

"یہ بیان اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ جواہر اور اعراض کے وجود سے ان کے صانع (خالق) کے وجود پر کس طرح دلیل قائم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب ممکن الوجود ہیں اور ہر ممکن چیز اپنے وجود کے لیے کسی

[20] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 56.

مؤثر (سبب) کی محتاج ہوتی ہے اور جو چیز مؤثر کی محتاج ہو، اس کا وہ مؤثر ایسا ہونا چاہیے جو واجب الوجود ہو یعنی اپنی ذات سے موجود، کسی اور کا محتاج نہ ہو۔ پس، جواہر اور اعراض کا وجود، واجب الوجود مؤثر کے وجود پر دلیل بنتا ہے۔ چونکہ قیاس (عقلی استدلال) ایک مرکب چیز ہوتا ہے جس کا ایک درمیانی مقدمہ حد اوسط ہوتا ہے، اور یہاں یہ حد اوسط امکان اور احتیاج کا مجموعہ ہے، اس لیے ان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہاں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ وجود میں احتیاج کی علت امکان ہے، نہ کہ حدوث۔"

اس کی وضاحت میں چند چیزیں غور طلب ہیں جیسا کہ جواہر یعنی وہ چیزیں جو بذاتِ خود قائم ہوں، جیسے انسان، پتھر، درخت۔ اعراض وہ صفات جو خود قائم نہیں ہو سکتیں، بلکہ کسی چیز میں موجود ہوتی ہیں، جیسے رنگ، حرکت، خوشبو یاد رہے کہ یہ اشیاء ممکن الوجود ہیں یعنی یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ہونا یا نہ ہونا ممکن تھا ان کا وجود لازم نہیں۔ ہر ممکن الوجود چیز کو وجود میں آنے کے لیے کسی مؤثر کی ضرورت ہے اور چونکہ ان اشیاء کا وجود بذاتِ خود ضروری نہیں، اس لیے ان کے وجود کے پیچھے کوئی سبب یا علت (Cause) ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مؤثر واجب الوجود ہونا چاہیے یعنی جو چیز ممکن الوجود اشیاء کو وجود میں لا رہی ہے، وہ خود کسی کی محتاج نہ ہو یعنی وہ واجب الوجود ہو، جیسے کہ خدا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ واجب الوجود کا وجود عقلاً ثابت ہے کیونکہ ممکنات (جواہر و اعراض) کے وجود سے ہم عقلی طور پر ایسے خالق کے وجود پر پہنچتے ہیں جو خود واجب الوجود ہو۔

یہ قیاس (عقلی دلیل) ایک مرکب ہے یعنی اس استدلال میں مختلف اجزاء مل کر نتیجہ پیدا کر رہے ہیں، جن میں امکان اور احتیاج بطور حدِ اوسط استعمال ہوئے ہیں۔ امکان کو علتِ احتیاج ماننا فلسفی طریقہ ہے، متکلمین کہتے ہیں کہ چیزوں کا حادث ہونا ان کی علتِ احتیاج ہے اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اصل وجہ ان کا ممکن ہونا ہے، چاہے حادث ہو یا قدیم۔ اس مقام پر فلاسفہ و متکلمین کے نکتہ نظر کے فرق کو واضح کیا جا رہا ہے۔ نیز اس تفسیر میں فلسفی موقف کو اختیار کیا گیا ہے، کیونکہ یہ زیادہ تحقیق پسند اور گہرا راستہ ہے۔ یہ عبارت اس بات کی عقلی دلیل پیش کرتی ہے کہ چونکہ دنیا میں موجود ہر چیز ممکن الوجود ہے، اس لیے ان سب کا کوئی ایسا خالق ہونا ضروری ہے جو خود واجب الوجود ہو اور اس استدلال میں امکان (ممکن ہونا) کو بنیاد بنایا گیا ہے، جو فلاسفہ کا طریقہ ہے، برخلاف علم کلام کے جو "حدوث" کو بنیاد بناتے ہیں۔

iv. علم الکلام سے استفادہ

ملا عبدالحکیمؒ کا شمار ان اہل علم میں ہوتا ہے جو علم الکلام میں مہارت رکھتے تھے اور اشعری و ماتریدی نظریات سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے تفسیری مباحث میں کلامی اصطلاحات اور دلائل کو برتا، اور مخالف مکاتب فکر جیسے معتزلہ و مشبہہ پر تنقید کی۔ ان کی تحریروں میں علمی اعتدال اور استدلال کی خوبصورتی نمایاں ہے۔

"قوله والهداية دلالة بلطف اللطف خلق ما يقرب العبد الى الطاعة من غير ان يلجيه اليها ولذا يمدح الشخص بالاهتداء وهو واجب على الله عند المعتزله وتفضل واحسان منه تعالى عند الاشاعرة ولم يقيد الدلالة بالموصلة او بكونه على ما يوصل اشارة الى انها موضوعة للقدر المشترك بينهما" [21]

[21] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʿAbd al-Ḥakīm ʿalā al-Bayḍāwī*, 76.

"اور اس کا یہ قول کہ "ہدایت لطف کے ساتھ رہنمائی ہے"، تو لطف سے مراد ہے بندے کو اطاعت کے قریب کرنے والی چیز کو اس طرح پیدا کرنا کہ وہ مجبور نہ ہو لہٰذا اسی وجہ سے انسان کو ہدایت پانے پر قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔ یہ (ہدایت دینا) معتزلہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے، جبکہ اشاعرہ کے نزدیک یہ اللہ کی طرف سے فضل اور احسان ہے۔ مصنف نے دلالت کو نہ تو اس کے پہنچانے والی ہونے کے ساتھ مقید کیا اور نہ ہی اس شرط کے ساتھ کہ وہ ایسی ہو جو حقیقتاً راستہ تک پہنچائے، تاکہ یہ اشارہ دیا جاسکے کہ ہدایت اس مشترک معنی پر وضع کی گئی ہے۔"

درج بالا عبارت میں پہلے امام بیضاوی کا وہ جملہ کہ جس میں انہوں نے "ہدایت" کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہدایت سے مراد ایسی رہنمائی ہے جو لطف کے ساتھ ہو، یہ لکھنے کے بعد ملا عبدالحکیم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ یاد رہے کہ لطف سے مراد وہ رحمت یا نرمی ہے جس میں بندے کو اطاعت کی طرف مائل کرنے والی چیز مثلاً علم، توفیق، مواقع، حالات پیدا کی جائے لیکن اور پر کسی قسم کا کوئی جبر نہ کیا جائے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ پر ہدایت دینا عقلاً واجب ہے، کیونکہ وہ عادل ہے اور بندے کو بغیر رہنمائی کے نہیں چھوڑ سکتا۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کسی کو ہدایت دینا اس کا فضل اور احسان ہے، اس پر واجب نہیں ہے۔ اس عبارت میں مصنف نے "ہدایت" کو "پہنچانے والی ہدایت" یا "راہ دکھانے والی ہدایت" جیسی کسی خاص قسم سے محدود نہیں کیا۔ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ لفظ "ہدایت" ان دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے، پہلے نمبر پر صرف راستہ دکھا دینا یعنی دلائل دینا، انبیاء کرام کو بھیجنا اور دوسرا حقیقتاً منزل پر پہنچا دینا یعنی دل کو منور کرنا، ایمان داخل کرنا۔

v. دہریت کا رد

مولف نے دہریت کا سختی سے عقلی ردّ کیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق خود بخود ہی معرض وجود میں آئی ہے اور اس کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

"بل هو مخلوقٌ من مخلوقات الله"[22]

"بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے وہ ایک مخلوق ہے۔"

یہ موقف "دہر" یعنی زمانہ کے خود تولیدی نظریہ کو عقلی و شرعی طور پر باطل قرار دیتا ہے۔ اسے اللہ کی پناہ میں شامل کرنے کی دلیل بتائی گئی ہے، جو Causal Order اور[23] Divine Sovereignty کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"هذا قول الدهرية المنكرين للصانع، القائلين بأن الدهر هو الذي يفني الإنسان، وهم مع ذلك يعترفون بأن الدهر لا شعور له"[24]

"یہ دہریوں کا قول ہے جو خالق کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ انسان کو دہر (زمانہ) فنا کرتا ہے، حالانکہ وہ خود مانتے ہیں کہ دہر کوئی باشعور ہستی نہیں۔"

---

22 Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʿAbd al-Ḥakīm ʿalā al-Bayḍāwī*, 138.

23 Walbridge, John. *God and Logic in Islam: The Caliphate of Reason*. Cambridge: Cambridge University Press, 1431 AH/2010, Chapter 3: The Problem of Causality.

24 Al-Qurṭubī, Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Aḥmad. *Al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qur'ān*. Beirut: Dār Iḥyā' at-Turāth al-ʿArabī, n.d., 16:321.

vi. **معجزہ کا فلسفیانہ وکلامی تجزیہ**

بیضاویؒ نے معجزہ کو "خارقِ عادت" قرار دیا جہاں وہ روایت اور حواس سے ماوراہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر پر ملا عبد الحکیم نے فکری تنقید کی، اور عقلی بنیاد فراہم کی کہ معجزے کو عقل کی فطرت سے ہم آہنگ رہتے ہوئے قبول کیا جائے۔

"قال البيضاوى المعجزة أمر خارق للعادة وقلت بل هو أمر يتوقف العقل فيه ابتداءً، ثم يقبله باعتبار خرق نظام الاسباب"[25]

"بیضاوی نے کہا معجزہ ایک ایسا امر ہے جو عادت کے خلاف ہوتا ہے…اور میں کہتا ہوں بلکہ معجزہ وہ امر ہے جس پر عقل ابتدائی طور پر توقف کرتی ہے یعنی حیران ہوتی ہے پھر اسے اس پہلو سے قبول کر لیتی ہے کہ یہ اسباب و علل کے نظام کے انقطاع کا مظہر ہے۔"

یہ بیان معجزے کی ماورائے فطرت نوعیت کو محض حیرانی یا خوف زدگی سے بڑھ کر عقل کے استنباط کے دائرے میں لاتا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ عقل ابتدا میں معجزے کی نوعیت کو سمجھنے میں شکوک کا شکار ہو سکتی ہے، مگر جب یہ سمجھ آجائے کہ نظام اسباب میں خلل واقع ہوا ہے، تو معجزہ عقلی طور پر بھی قابلِ قبول ہو جاتا ہے۔ اس طرح معجزہ کو مکمل عقلی و کلامی تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

vii. **نبوت و عصمتِ انبیاء**

نبوت اور رسالت کے بنیادی اصولوں میں عصمتِ انبیاء کا عقلی و نقلی دفاع ضروری تھا، اور مولف نے اسی تناظر میں تحریری و معروضی وضاحت پیش کی۔

آپ رقمطراز ہیں:

"وما ينطق عن الهوٰى دليل على عصمته صلى الله عليه وآله وسلم"[26]

"اور وہ اپنی مرضی سے نہیں بات کرتا عصمت نبوت کی دلیل ہے۔"

یہ بیان واضح کرتا ہے کہ نبوت کی صداقت کے لیے عصمت یعنی آپ ﷺ کا ہر عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔[27] چونکہ نبی ﷺ وحی کے ذریعے کلام ادا فرماتے ہیں، اس لیے ان کی زبان پر غلط کلام کے جاری ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

viii. **تصوف وروحانیت**

اگرچہ ملا عبد الحکیمؒ کی تفسیر عمومی طور پر عقلی و کلامی اسلوب کی حامل ہے، مگر بعض مقامات پر ان کا تصوف سے تعلق اور روحانی شعور بھی نمایاں ہوتا ہے۔ وہ آیات کی باطنی تعبیرات اور سلوک و تصوف کے مفاہیم پر مختصر مگر عمیق گفتگو کرتے ہیں، جو ان کے روحانی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

تفسیر بیضاوی کی ایک عبارت کی وضاحت میں آپ لکھتے ہیں:

"بين ان طلب الهداية من العارف الواصل ليس طلبا للحاصل ليلزم ان طلبها من غيره لا يكون كذلك بالطريق الاولى والوصول في اصطلاحهم هو الفناء عن مشاهدة الغير على ما مر قال

[25] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʿAbd al-Ḥakīm ʿalā al-Bayḍāwī*, 82.
[26] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʿAbd al-Ḥakīm ʿalā al-Bayḍāwī*, 145.
[27] Muhammad Waseem Arshad, and Dr. Khalid Mahmood Arif. "Qur'anic and Prophetic Depictions of Ahl-e-Kitāb: A Thematic Study." *Journal of World Religions and Interfaith Harmony* 4, no. 1 (1446 AH/2025): 207–235.

قطب العارفين الشيخ محي الدين من شاهد الخلق لا فعل لهم فقد فاز ومن شهدهم لا حياة لهم فقد جاز ومن شهدهم عين العدم فقد وصل وهذا مرتبه عين اليقين وعند هذا يتم السير الى الله وهي المسمى بالتزكية والتحلية"[28]

یہ واضح کیا گیا ہے کہ عارفِ واصل سے ہدایت طلب کرنا، طلبِ حاصل نہیں ہے۔ تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ اگر کسی دوسرے سے جو واصل نہیں ہے، ہدایت طلب کی جائے تو وہ بدرجہ اولیٰ حاصل نہ ہو۔ اور ان (صوفیاء) کی اصطلاح میں "وصول" کا مطلب ہے اللہ کے سوا ہر چیز کے مشاہدے سے فنا ہو جانا، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ قطب العارفین شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: جو شخص مخلوق کو اس حال میں دیکھے کہ ان کے پاس کوئی فعل نہیں، وہ کامیاب ہوا، جو انہیں اس حال میں دیکھے کہ ان کے پاس زندگی بھی نہیں، وہ عبور کر گیا اور جو انہیں بالکل عدم دیکھے، وہ پہنچ گیا اور یہی درجہ "عین الیقین" کہلاتا ہے۔ اسی مقام پر اللہ کی طرف حقیقی سلوک (روحانی سفر) مکمل ہوتا ہے، جسے یعنی باطن کی صفائی اور صفاتِ حسنہ سے آراستگی کہا جاتا ہے۔

عارفِ واصل سے ہدایت طلب کرنا طلبِ حاصل نہیں ہے۔ کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تک پہنچ چکا یعنی عارفِ واصل ہے اُس سے ہدایت مانگنا تو ایسا ہے جیسے کسی سے وہ چیز مانگنا جو وہ پہلے ہی رکھتا ہے جو لغو یا عبث شمار ہوتا ہے۔ لیکن یہاں واضح کیا گیا ہے کہ یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ اگر واصل سے ہدایت طلب کرنا لغو مانا جائے تو پھر غیر واصل سے طلب کرنا بدرجہ اولیٰ بے معنی ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔ تصوف میں "وصول" کا مطلب اللہ کو دیکھ لینا نہیں، بلکہ "اللہ کے سوا، ہر غیر یعنی مخلوق، دنیا، نفس سے فنا ہو جانا ہے۔ یہ فنا مجازی ہوتا ہے یعنی دل، شعور اور توجہ سے دنیا کے غیر حقیقی اثرات مٹ جاتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے بیان کے مطابق اس معاملے کی تین روحانی منازل ہیں:

* جو شخص مخلوق کو اس طرح دیکھے کہ ان کے افعال کا کوئی استقلال نہیں یعنی ہر کام اللہ کے اذن سے ہوتا ہے، تو وہ کامیاب ہوا۔
* جو مخلوقات کو بغیر کسی مستقل زندگی کے سمجھے یعنی اللہ ہی اصل حیات ہے، وہ گزر گیا یعنی اگلے مقام پر چلا گیا۔
* جو مخلوقات کو مکمل عدم سمجھے، یعنی صرف اللہ ہی کو حقیقی وجود جانے وہ واصل بن گیا یعنی حقیقت تک پہنچ گیا۔

یہ تیسرا درجہ "عین الیقین" ہے اور یہی اصل تزکیہ یعنی نفس کو برائیوں سے پاک کرنا و تحلیہ یعنی نفس کو صفاتِ حسنہ سے مزین کرنا ہے۔ یہ استدلال ملا عبدالحکیمؒ کے کلامی منہج کی گہری بصیرت کی علامت ہے۔ ان کے اسلوب میں صوفی لسانیات اور روحانی رہبری کا اثر خاص طور ان مواقع پر دکھائی دیتا ہے جہاں قلبی ارتقاء یار ہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ix. قضاوقدر پر کلامی نظریہ

قضاوقدر پر انسانی آزادی اور اللہ کے نظام میں توازن برقرار رکھنا مولف کے اسلوب کا خاص حصہ ہے۔ وہ اس کو عدل، حکمت، اور سنتِ الٰہی کے ذریعے پیش کرتے ہیں۔ اور ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"والهدى والإضلال من الله تعالى ليس على وجه الجبر"[29]

[28]Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʿAbd al-Ḥakīm ʿalā al-Bayḍāwī*, 78.

"اور ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، مگر جبر کے طور پر نہیں ہے۔"

یہ عبارت اس اصول کو کھولتی ہے کہ اللہ نے ہر انسان کو اختیار عطا فرمایا، اور صرف اس صورت میں ہدایت موصول ہوتی ہے جب وہ حق کی طرف قدم بڑھائے۔ اس میں ظلم کا کوئی پہلو نہیں، اور یہ موقف عدل و حکمت کا ایک شاندار اظہار ہے۔ نیز یہ جملہ قضا و قدر اور انسان کے اختیار کے بارے میں ایک کلامی موقف کی نمائندگی کرتا ہے، جیسا کہ اشاعرہ و متکلمین اختیار و ارادہ کے باب میں بیان کرتے ہیں۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اگرچہ ہدایت و گمراہی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہ انسان کے اختیار و ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ اللہ کا ہدایت دینا اس شخص کے لیے ہوتا ہے جو سعی و طلب کرتا ہے، اور گمراہی اسے دی جاتی ہے جو اعراض کرتا ہے۔ یہ تصور جبر و تفویض کے درمیان ایک اعتدال پسند نظریہ پیش کرتا ہے، جسے "امرٌ بين الأمرين"[30] (دونوں کے درمیان راہ) کہا جاتا ہے۔

x. معادِ جسمانی کا عقلی استدلال

معادِ جسمانی کا موضوع قرآنی اور فلسفیاتی پہلوؤں میں بہت اہم ہے، اور مولف نے اسے عقلی طریقے سے واضح کیا تاکہ قیامت کی حقیقت میں مکمل عقلی تربیت ممکن ہو۔

آپ فرماتے ہیں:

"إعادة الأجسام يوم القيامة ليس بمحال"[31]

"جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ بن جانا ناممکن نہیں ہے۔"

یہ دلیل فلسفی اصول کی روشنی میں دی گئی ہے: جیسا کہ پہلی تخلیق ممکن ہے، قیامت میں دوبارہ جسم ترتیب دینا بھی الٰہی قدرت سے ممکن ہے۔ مادّہ کے ٹوٹ جانے کے باوجود بھی، اسے اللہ کی قدرت کے واسطے دوبارہ جمع کرنا عقلی طور پر فطرت کے سمت میں ہے۔

xi. تفسیر کا جدلی انداز

عبد الحکیم سیالکوٹیؒ کا اسلوب مناظرانہ رنگ بھی رکھتا ہے۔ وہ مخالف فرقوں کے نظریات کو نقل کر کے ان کا علمی رد کرتے ہیں، اور دلائل سے راجح موقف واضح کرتے ہیں۔ یہ اندازنہ صرف ان کے علمی رعب کو ظاہر کرتا ہے بلکہ ان کی فکری خود اعتمادی کا بھی غماز ہے۔

ذیل کی عبارت آپ کے اسی اسلوب کو ظاہر کرتی ہے:

"قال المشبهة: إن اليد صفةٌ ذاتية، قلنا: بل هي كنايةٌ عن القدرة، والتشبيهُ ممنوعٌ، لأن التوحيدَ يقتضي التنزيهَ المحضَ"[32]

"مشبّہ یعنی تشبیہ دینے والوں (ایک فرقہ کا نام) نے کہا: کہ "ید" (اللہ کا ہاتھ) ایک ذاتی صفت ہے۔ ہم کہتے ہیں: بلکہ یہ قدرت سے کنایہ ہے اور تشبیہ ممنوع ہے کیونکہ توحید کا تقاضا تنزیہ کامل (اللہ کو ہر جسمانی و مخلوقی مشابہت سے پاک سمجھنا) ہے۔"

---

[29] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 130.
[30] Ash-Shahrastānī, Muḥammad ibn ʻAbd al-Karīm (d. 548 AH). *Al-Milal wa an-Niḥal*. Beirut: Dār al-Maʻrifa, n.d., 1:86.
[31] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 158.
[32] Siyālkōṭī, *Ḥāshiyat ʻAbd al-Ḥakīm ʻalā al-Bayḍāwī*, 203.

یہ اقتباس مشبہہ فرقے کے عقیدۂ تجسیم کا رد ہے۔ ملا عبدالحکیمؒ نے "ید" کو "قدرت" کا کنایہ قرار دے کر تشبیہ کو تنزیہ سے بدلنے کی علمی کوشش کی، جو تفسیر میں جدلی طرزِ اسلوب کا نمونہ ہے۔

خلاصہ بحث

حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی بیضاوی برصغیر میں مغلیہ عہد کی عقلی و فلسفیانہ تفسیر نگاری کا ایک نمایاں نمونہ ہے۔ یہ تفسیر محض توضیحی نہیں بلکہ ایک فکری و استدلالی کاوش ہے جس میں نحو، لغت، کلام، منطق، تصوف اور فلسفہ کے مباحث شامل ہیں۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھتے ہوئے اشعری منہج کو اپنایا، جہاں صفاتِ الٰہی کی تاویل، معجزات کا عقلی تجزیہ، قضا و قدر کا معتدل نظریہ، اور معادِ جسمانی کا فلسفیانہ اثبات نمایاں ہے۔ آپ نے اشاعرہ کے عقائد کو بنیاد بنایا مگر کئی مقامات پر اجتہادی اسلوب اختیار کیا، خصوصاً صفات باری تعالیٰ، جبر و قدر، اور کسب عبد جیسے مسائل پر آپ کی شرح خاص اہمیت کی حامل ہے۔[33]

ان کا اسلوب جدلی، دقیق اور علمی حلقوں کے لیے نہایت وقیع ہے۔ انہوں نے روایتی تفسیر کے ساتھ عقلی استنباط کو بھی استعمال کیا اور مخالف مکاتب فکر کا علمی رد بھی پیش کیا۔ یہ حاشیہ برصغیر میں عقلی تفسیر نگاری کے ایک علمی رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ایک جانب اشعری کلام، اسلامی فلسفہ اور منطق کی گہرائی کو قرآنی مفاہیم کے ساتھ جوڑتی ہے، تو دوسری جانب تصوف اور روحانی تعبیرات کو بھی علمی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ان کی تحریر میں تصوف کی جھلکیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں، خصوصاً باطنی معانی، نورِ ہدایت اور سلوک کی تعبیرات کے ضمن میں۔ مصنف کا اسلوب ایک منفرد فکری مزاج، تدبر اور اجتہادی بصیرت کا آئینہ دار ہے، جو مغلیہ عہد کے علمی و فکری پس منظر میں ایک نہایت قیمتی اضافہ ہے۔
اس حاشیہ کے غیر مطبوعہ اور غیر معروف حصوں کی تلاش، تدوین اور اشاعت پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ اس علمی خزانے کو مکمل طور پر دریافت کیا جا سکے۔ برصغیر کی عقلی تفسیر نگاری پر تحقیقی منصوبوں میں ملا عبدالحکیم کے منہج کو بطور نمونہ شامل کیا جائے تاکہ کلامی، فلسفیانہ اور صوفیانہ عناصر کا امتزاج واضح ہو سکے۔ مدارسِ دینیہ اور جامعات میں اس تفسیر کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ طلبہ میں عقل و نقل کے امتزاج پر مبنی تفسیر کا فہم پیدا کیا جا سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Bibliography/کتابیات

* Al-Iṣfahānī, Ar-Rāghib. *Al-Mufradāt fī Gharā'ib al-Qur'ān*. Beirut: Dār al-'Ilm, 1412 AH/1991.
* Al-Qurṭubī, Abū 'Abd Allāh Muḥammad ibn Aḥmad. *Al-Jāmi' li-Aḥkām al-Qur'ān*. Beirut: Dār Iḥyā' at-Turāth al-'Arabī, n.d.
* Ash-Shahrastānī, Muḥammad ibn 'Abd al-Karīm. *Al-Milal wa an-Niḥal*. Beirut: Dār al-Ma'rifa, n.d.
* Mīrathī, Yāmīn 'Alī. *Bar-e-Ṣaghīr mein 'Ilm-e-Kalām kī Riwāyat*. Islamabad: Idāra Ma'ārif-e-Islāmiyya, International Islamic University, n.d.
* Parhārwī, 'Abd al-'Azīz. *Muqaddima Ḥāshiya 'Abd al-Ḥakīm*. Lahore: Idāra Taḥqīqāt-e-Islāmī, 1407 AH/1987.
* Sa'īdī, Ghulām Rasūl. *Tārīkh-e-Tafsīr*. Lahore: Maktaba Raḍawiyya, n.d.
* Sharif, M. M. *A History of Muslim Philosophy*. Lahore: Pakistan Philosophical Congress, n.d.
* Siyālkōṭī, Mullā 'Abd al-Ḥakīm. *Ḥāshiyat 'Abd al-Ḥakīm 'alā al-Bayḍāwī*. Lahore: Maktaba Quddūsiyya, 1436 AH/2015.

[33] Mīrathī, *Bar-e-Ṣaghīr mein 'Ilm-e-Kalām kī Riwāyat*, 124–125.